ابتدائیہ

اگر ہم ملک خداداد پاکستان میں دینی اور دنیاوی درس گاہوں کی تعداد میں روز بروز ہونے والے اضافے کو دیکھیں تو خوش گوار حیرت ہوتی ہے۔ ہر گلی کوچے میں مدرسے، اسکول اور کالج کھل رہے ہیں۔ یونیورسٹیاں پہلے بڑے شہروں کا مقدر سمجھی جاتی تھیں مگر اب چھوٹے شہروں میں بھی نئی جامعات بن رہی ہیں جن میں سائنس و ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ دیگر سماجی و بشری علوم کے شعبے بھی موجود ہیں۔ یہ ایک اچھی اور امید افزا صورتحال ہے۔ ہمیں اس پر فخر بھی کرنا چاہیے۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ دیگر تمام شعبہ ہائے علوم و حیات کی طرح یہاں بھی ہماری ترقی صرف مقداری دائرے میں ہے۔ معیار کے معاملے میں تسلی کی کوئی صورت یہاں بھی نہیں۔ درس گاہوں کی تعداد اور ان سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کے تعلیمی معیار میں جو تعلق ہے وہ راست کے بجائے روز افزوں معکوس تناسب کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ معاملہ صرف بعض درس گاہوں اور ان کے حاصلات کا نہیں بلکہ عمومیت کا ہے۔ یہ صورتحال کن اسباب کی پیدا کردہ ہے یا یہ ہمارے اندر فروغ پانے والے کس مرض کی علامت ہے؟ اس پر غور کیا جانا چاہیے۔ یوں تو ہر ادارہ اور ہر درس گاہ جب اپنی ماضی کی کامیابیوں کے ریکارڈ پیش کرتی ہے یا مستقبل کے سہانے منصوبوں کا اعلان کرتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ہر شعبہ علم میں بین الاقوامی معیار کو چھو لیا ہے مگر جب ملک کی مجموعی تعلیمی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو وہی اہل دانش جو اپنی ذاتی، ادارہ جاتی یا کسی خاص کالج یا یونیورسٹی کے حاصلات کا فخریہ اظہار کر رہے ہوتے ہیں، عمومی تعلیمی زوال کا رونا روتے ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سالانہ نتائج اسی، نوے فی صد کے اوج ثریا کو چھونے لگے ہیں مگر تعلیمی حالت پست سے پست تر ہو رہی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا ہم کوئی ایسا روز سیاہ بھی دیکھنے والے ہیں جب ہمارے ہر طالب علم کی سند پر صد فی صد لکھا ہو اور اسے کہیں ملازمت نہ مل رہی ہوگی؟ وہ دن کتنا تاریک ہوگا؟

ہماری جامعات میں سائنس، ٹیکنالوجی، انفارمیشن، سائبر نیٹکس، طب، قانون اور زراعت وغیرہ کے شعبوں کی جو صورتحال ہے سردست اسے زیر بحث لائے بغیر اگر صرف سماجی علوم و بشریات، علوم دینی اور زبان و ادب کے شعبوں کو دیکھا جائے تب بھی صورتحال کچھ ایسی ہی ہے حالانکہ یہ شعبہ ہائے علم تو ہمارے اپنے ہیں۔ یہاں پھر ماضی کے مقابلے میں بہتری کی کوئی صورت کیوں نہیں؟

اردو زبان و ادب اور ان سے وابستہ اصحاب و شخصیات یا مسائل و افکار سے متعلق مختلف یونیورسٹیوں میں منعقدہ کانفرنسوں اور سیمینارز کی کارروائیوں کو اگر دیکھا جائے تو وہاں بھی یہی صورتحال نظر آتی ہے: یا تو دل خوش کن مستقبل کے منصوبوں کے اعلانات یا اپنے اپنے شعبوں کی سابقہ ''شاندار'' کارکردگیوں کی روداد یں۔ مگر بین السطور یاس آمیز عمومی زوال کے نوحے کی لے چھپائے نہیں چھپتی!

ملک کی مختلف یونیورسٹیوں کے اردو کے شعبوں میں داخلہ لینے والے طلبا کے ذہنی و عمومی ادبی شعور و معیار کی بات تو جانے دیجئے اب تو اس طرف رخ کرنے والے طلبا کی تعداد میں بھی نمایاں کمی آ رہی ہے اور جو داخلہ لیتے بھی ہیں ان کا مقصد بھی زبان و ادب سے کسی علمی و ذوقی دلچسپی کے بجائے محض آسانی سے ڈگری کا حصول ہوتا ہے۔ اردو کے شعبوں میں داخلوں کے حوالے سے طلبا اور طالبات کے تناسب کا بڑھتا ہوا فرق بھی اپنے اندر تجزیے و تفتیشی مطالعے کا بہت سامان رکھتا ہے۔ کیا طالبات کا ادبی ذوق یا زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت سے وابستہ ان کا شعور طلبا سے بہتر ہوتا ہے؟ اگر ایسا ہے بھی تو پھر کیا ان کی گود میں پرورش پانے والے نئی پود اپنی تہذیب و ثقافت اور قومی و ملکی اقدار کے معاملے میں پرانی نسل کے مقابلے میں کسی بہتر شعور کی نمائندہ بنے گی؟ ان سب سوالوں پر غور کیا جانا چاہیے۔

☆☆☆

اردو ہماری قومی زبان ہے مگر اسے قومی کے بجائے رابطے کی زبان بنانے کی تیاریاں ہوتی رہتی ہیں۔ حالانکہ رابطے کی زبان کے طور پر اردو اپنا یہ کردار صدیوں سے کسی ''سرکاری پالیسی'' کی محتاجی کے بغیر پورے برصغیر پاکستان و ہندوستان میں صدیوں سے اپنی اس مقبولیت کی بنا پر ادا کر رہی ہے جو یہاں کی زبانوں میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں۔ اردو یقیناً ہماری قومی زبان ہے، باوجود اس کے کہ یہ پاکستان کے کسی جغرافیائی خطے کے لوگوں کی زبان نہیں۔ اردو ہماری ''قومی'' زبان قوم کے اس مخصوص تصور کی وجہ سے ہے جسے اس قوم کی تشکیل نو کرنے والے محسنین قوم ـــ علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح ـــ نے چند ٹھوس مذہبی اور تہذیبی تصورات سے وابستہ افراد کا تشخص بحال و قائم

کرنے کے لیے منوایا تھا۔ اور اس کے لیے یورپ اور ہندوستان میں فروغ پانے والے ''قومیت'' کے سیاسی اور ارضی تصور سے طویل جنگ کی تھی۔ یاد رہے کہ اردو ہماری قومی زبان قوم کے اس مخصوص تصور کی وجہ سے ہی ہوگی ورنہ نہیں۔

ہم نے اوپر ملکی سطح پر تعلیم کے شعبے کی جس مخصوص صورتحال کا ذکر کیا ہے اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں علامہ اقبال اور قائداعظم کے مخصوص تصورات کے خدوخال دھندلانے کی بڑی منظم اور باضابطہ کوششیں ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی قائداعظم کو ایک سیکولر مزاج وکیل ثابت کرکے اور کبھی موجود انتہا پسندی کا تعلق اقبال کے تصورات سے جوڑ کر۔ حالاں کہ لوگ یا تو سیکولرازم اور اس کی بعض صورتوں، جس کا ایک ہتھیار دہشت گردی بھی ہے، کی تاریخ سے واقف نہیں یا پھر اقبال اور قائداعظم سے بے خبر ہیں۔

ان سب باتوں کا تعلق پاکستان میں اردو زبان اور اس کی تعلیمی وتہذیبی حیثیت سے بڑا گہرا ہے۔ اردو زبان اور اس کے ادب کا اہم ترین حصہ ہند مسلم تہذیبی کائنات کا پروردہ ہے اس کی وسعت پروری، رواداراانہ فضا اور دیگر اقوام و مذاہب کے ثقافتی اوضاع سے اس کے آزادانہ لین دین اور باہمی روابط کا کوئی تعلق مغربی سیکولرازم کے تصورات سے نہیں بلکہ مسلمان صوفیانہ کلچر کی اس کشادہ جبینی سے ہے جس کا دامن سب کے لیے کھلا تھا مگر اس میں سماتا صرف وہی کچھ تھا جو اس کے مخصوص تصور کائنات کی چھلنی سے گذر اس کے اپنے مزاج سے ہم آہنگ ہوتا تھا۔

قیام پاکستان کے زمانے تک یہ مسئلہ بالکل واضح تھا مگر بعد میں جوں جوں وقت گذرا ہمارے ہاں پیدا ہونے والے تہذیبی آشوب میں دوقومی نظریہ اور بنائے پاکستان کے مسائل پریشاں خیالی کا شکار ہوئے تو ہم بحیثیت قوم بھی شناخت کے بحران میں مبتلا کر دیئے گئے۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلم قومیت کی بناوٹ خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی کے اصول سے ہٹ کر جب بھی کسی اور تصور سے مخصوص کرنے کی کوشش کی جائے گی اس سے وابستہ ہر شے اور اردو زبان بھی شناخت کے بحران اور اپنے اصل مقام سے محرومی کے مسئلے سے دو چار ہوگی۔ کبھی انگریزی کے بین الاقوامی پن کے مقابلے میں اور کبھی مقامی زبانوں کی حق تلفی کے نعرے کی آڑ میں!!

ہمارے زمانے میں علم جب طاقت کا آلہ کار بن گیا ہے تو بعض زبانیں بھی عالمی استعماری مقاصد کے حصول کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ ہمارے خطوں میں یہ مقام انگریزی کو دیکر اردو کو بے سہارا کیا گیا ہے۔ دساتیر پاکستان میں اردو کا مقام جو بھی ہو سرکاری و نیم سرکاری معاملات اور مقابلے کے امتحانوں اور اب الیکٹرانک میڈیا میں انگریزی کو جو توقیر حاصل ہے اس کے ہوتے ہوئے آسان ڈگری کے حصول کے لیے اردو پڑھنے والے کبھی اردو زبان کو باعثِ افتخار نہیں سمجھ سکتے۔

☆☆☆

معیار کا دسواں شمارہ حاضر ہے۔ اس کا اہم ترین حصہ اس کا پہلا مضمون ''اُردو کی پہلی گرامر'' اور گوشہ نوادر ''محمد حسن عسکری کے نام چند نودریافت خطوط'' ہے۔ اُردو کی پہلی گرامر پاکستان کے ممتاز محقق اور ماہر السنہ محمد اکرام چغتائی کی دورس تحقیق کا نتیجہ ہے جس میں اردو زبان کی پہلی گرامر کی کہانی پہلی مرتبہ تو نہیں لیکن بڑی تفصیل اور دلچسپی اور چند نادر تصاویر کے ساتھ ضرور بیان کی گئی ہے۔ گوشہ نوادر میں اس دفعہ اردو کے ممتاز نقاد محمد حسن عسکری کے نام چند نادر خطوط پہلی دفعہ منظر عام پر لائے جا رہے ہیں۔ اردو کے کسی بھی مجلّے میں محمد حسن عسکری کے نام اس طرح کے خطوط کی اشاعت کا یہ پہلا اعزاز ہے جو ادارہ معیار کو محمد حسن عسکری کے بھائی جناب محمد حسن مثنیٰ کی خصوصی نوازش سے مل رہا ہے۔ ادارہ اس کرم فرمائی پر ان کا ممنون ہے۔ ان کے علاوہ دیگر بہت سی تحقیقی وتنقیدی تحریریں بھی ہیں جو اگر سب نہیں تو کچھ یقیناً بعض انفرادیتوں کی حامل ہیں۔

معیار کے سابقہ نو شماروں میں سے پہلے چار شماروں کے مدیران اس جریدے کے بانی تھے اس جریدے کی بنیاد گزاری، معیار اور مزاج متعین کرنے میں انہوں نے جو محنت کی تھی اس کی چھاپ بعد کے پانچ شماروں میں بھی نظر آتی رہی ہے اس پر مستزاد سابقہ پانچ شماروں کے مدیران کی اپنی اپنی چھاپ بھی تھی۔ معیار کے موجودہ شمارے سے یہ جریدہ اب نئے مدیران کے پاس آ گیا ہے۔ اس کا مزاج اور رنگ ڈھنگ اب بھی بڑی حد تک وہی ہے۔ اور پہلے کی طرح اس کی ذولسانی حیثیت ـــ اردو اور انگریزی ـــ بھی پھر سے بحال کی جا رہی ہے۔ البتہ اس میں راہ پانے والی کوتاہیاں ہماری اور خوبیاں اگلے نام ور مدیروں کے جلائے چراغوں کی روشنی کی ہیں۔ تاہم اپنے پڑھنے والوں کی آراء کی روشنی میں اسے مزید بہتر بنانے کی کاوشیں جاری رہیں گی۔

مدیر